مذہبی ہم آہنگی

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی
اسسٹنٹ پروفیسر بلوچستان یونی ورسٹی

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابًا مّن فوقکم أو من تحت أرجلکم أو یلبسکم شیعاً ویذیق بعضکم بأس بعض"(۱)

"آپ کہہ دیجیے کہ اس پر بھی وہی (اللہ) قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمھارے اوپر سے بھیج دے، یا تمھارے پاؤں تلے سے، یا کہ تم کو گروہ گروہ کرکے سب کو (آپس میں) بھڑا (یعنی لڑا) دے اور تمھارے ایک کو دوسرے کی لڑائی (کے ذریعہ مزہ) چکھادے"۔

آیت مذکورہ میں عذاب الٰہی کی تین قسموں کا ذکر ہے، ایک جو اوپر سے آئے مثلاً پتھروں کا برسنا، ہوا یا بارش کا طوفان، دوسرے جو نیچے سے آئے، مثلاً زلزلہ یا غرق ہونا، تیسرے جو اپنے اندر سے پھوٹ پڑے مثلاً قوم کا مختلف پارٹیوں میں بٹ کر آپس میں بھڑ جانا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہے کہ امت مختلف فرقوں میں تقسیم ہوکر آپس میں لڑ پڑیں، اسی لیے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا: "لاترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعض"(۲)۔ "تم میرے بعد پھر کافروں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو"۔

ایک حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں۔ ❶۔ میری امت غرق کے ذریعے ہلاک نہ کی جائے ❷۔ قحط عام کے ذریعے اس کی تباہی نہ ہو ❸۔ آپس میں ان کی لڑائی نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے پہلی دو دعائیں قبول فرمالیں اور تیسری دعا سے مجھے روک دیا(۳)۔

اس سے ثابت ہوا کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اس قسم کے عذاب تو نہیں آئیں گے جیسے پچھلی اُمتوں پر آسمان یا زمین سے آئے جس سے اُن کی پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی، لیکن ایک عذاب دنیا میں اس امت پر بھی آتا رہے گا۔ وہ عذاب آپس کی جنگ وجدل اور فرقوں اور پارٹیوں کا باہم تصادم ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو فرقوں اور پارٹیوں میں منقسم ہوکر باہمی آویزش اور جنگ وجدل سے منع کرنے میں انتہائی تاکید سے کام لیا ہے اور ہر موقع پر اس سے ڈرایا ہے کہ تم پر خدا تعالیٰ کا عذاب اس دنیا میں اگر آئے گا تو آپس ہی کی جنگ وجدل کے ذریعے آئے گا(۴)۔ اس لیے ایک آیت میں ارشاد ہے:

"واعتصموا بحبل اللہِ جمیعًا وّلاتفرّقوا"(۵) "اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی (یعنی قرآن) سب مل کر

اور پھوٹ نہ ڈالو"۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء هم البینت "(٦)"اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنھوں نے (دین میں) باہم تفریق کرلی اور باہم اختلاف کرلیا، ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد"۔

مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو، جنھوں نے خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و ہوا کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق ہو گئے اور باہمی جنگ و جدال سے عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے اور چونکہ اس تفریق واختلاف نے پچھلی قوموں کو تباہ کر دیا اس لیے ان سے عبرت حاصل کرو اور اپنے میں یہ مرض پیدا ہونے نہ دو۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

"انّ الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعاً لست منهم فی شیء"(٧)

"یعنی جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقے ڈالے اور مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق اور کوئی واسطہ نہیں"۔

ان تمام آیات و روایات کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف بڑی منحوس اور مذموم چیز ہے، آج دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے مسلمانوں کی پستی اور بربادی کے اسباب پر غور کیا جائے تو اکثر مصائب کا سبب یہی آپس کا اختلاف اور تشتت نظر آئے گا، ہماری بداعمالیوں کے نتیجہ میں یہ عذاب ہم پر مسلط ہو گیا کہ وہ قوم جس کا مرکز اتحاد ایک کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تھا، اس کلمہ کو ماننے والا زمین کے کسی خطہ میں ہو، کسی زبان کا بولنے والا ہو، کسی رنگ کا ہو، کسی نسل و نسب سے متعلق ہو سب بھائی بھائی تھے، کوہ و دریا کی دشوار گزار منازل ان کی وحدت میں حائل نہ تھیں، نسب و خاندان، رنگ و زبان کا تفاوت ان کی راہ میں رکاوٹ نہ تھا، ان کی قومی وحدت صرف اس کلمہ سے وابستہ تھی۔ عربی، مصری، شامی، ترکی، ہندی، چینی کی تقسیمیں صرف شناخت اور تعارف کے لیے تھیں اور کچھ نہیں، بقول اقبال مرحوم:

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلی نہ اصفہان نہ سمرقند

آج دوسری قوموں کی وسیلہ کاریوں اور مسلسل کوششوں نے پھر ان کو نسلی اور لسانی اور وطنی قومیتوں (اور مذہبی فرقوں) میں بانٹ دیا اور پھر ان میں سے بھی ہر ایک قوم و جماعت اپنے اندر بھی تشتت اور انتشار کا شکار ہو کر مختلف پارٹیوں میں بٹ گئی (٨)۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا امت کے اندر ہر اختلاف مذموم ہے، یا کوئی اختلاف غیر مذموم بھی ہے، جواب یہ ہے کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے، بلکہ وہ اختلاف مذموم ہے کہ جس میں اپنی اہواء اور خواہشات کی بنا پر قرآن سے دور رہ کر سوچا جائے، لیکن اگر قرآن پر مجتمع رہتے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی بناء پر فروع میں اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف فطری ہے اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ صحابہؓ و تابعین اور ائمہ فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا، ہاں اگر انہی فروعی بحثوں کو اصل دین قرار دیا

جائے اوران میں اختلاف کو جنگ وجدل اور سب وشتم کا ذریعہ بنالیا جائے تو یہ بھی مذموم ہے(۹)۔

بہرحال اسلام میں اختلاف رائے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔اسلامی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت، جزاوسزایا ایسے احکام جن کے بارے میں قرآن وسنت میں واضح حکم موجود ہو، اختلاف سے پاک اور بالاتر ہیں۔البتہ فقہاء صحابہ وائمہ مجتہدین نے ان فروعی مسائل میں اختلاف کیا ہے، جن میں واضح اور صریح نص موجود نہ ہو اور اس کی تعبیر اور تشریح مختلف طریقوں سے اور کئی صورتوں میں ممکن ہو۔اس طرح ہر مجتہد اپنی اپنی فہم اور صوابدید کے مطابق بنیادی اسلامی اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کر کے رائے قائم کرتا ہے جو کبھی تو دوسروں کی آراء سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور سب آراء متفق ہوکر اجماع امت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور کبھی فروعی اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔

اس اختلاف کا مقصد تفرقہ پیدا کرنا یا امت کو جھگڑوں میں مبتلا کرنا نہیں ہوتا بلکہ ہر مجتہد پیش آمدہ مسئلہ کے لیے شریعت کا حکم معلوم کرنے کی سعی کرتا ہے اور ہر مجتہد کا ہدف حق تک پہنچنا ہوتا ہے، پھر تمام مجتہدین، تلاشِ حق کے اس سلسلے میں یکساں طور پر ذرائع اور مصادر شرعیہ ہی کو استعمال کرتے ہیں۔

اختلاف رائے صحابہ کرام میں بھی موجود تھا، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ اور بہت سارے صحابہ کرامؓ نماز میں رکوع ادا کرتے ہوئے رفع الیدین پر عمل پیرا تھے، مگر دوسری طرف حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرام اس کے قائل نہیں تھے(۱۰)۔مگر کبھی ایک فریق نے دوسرے کی تشنیع نہیں کی اور نہ ہی یہ کہا کہ حق صرف ہمارے پاس ہے، باقی آراء باطل ہیں۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لوگوں سے کبھی یہ نہیں کہا کہ خبردار عبداللہ بن عمرؓ کی بات نہ سنو اور نہ مانو کیوں کہ وہ تو رفع الیدین کرتا ہے یا قراءت خلف الامام کا قائل ہے، بلکہ سب صحابہ کرام کا شیوہ یہی تھا کہ سب ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے۔اس سلسلے میں اس مشہور روایت سے بھی اس مسئلے پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ غزوہ احزاب سے واپسی کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ بنو قریظہ کی طرف جاؤ اور عصر کی نماز وہاں جا کر ادا کرو، چنانچہ راستے میں جب عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کی فرمان کی یہ توجیہہ کی کہ ان کی مراد یہ تھی کہ تیزی سے وہاں پہنچنے کی کوشش کرو اور راستے میں کہیں نہ رکنا، اب تو نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز راستے میں پڑھ کر فوراً چل دیتے ہیں اور انھوں نے ایسا ہی کیا، مگر بعض صحابہ کرامؓ کا اصرار تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول واضح ہے کہ نماز راستے میں نہ پڑھنا بلکہ وہی جا کر پڑھنا، چنانچہ انھوں نے بنی قریظہ کے ہاں پہنچ کر نماز پڑھی۔بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی باتیں سنیں اور کسی کی تردید نہیں کی(۱۱)۔

امام بیہقی نے سنن میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ان کے آزاد کردہ غلام نے آ کر یہ شکایت کی کہ حضرت معاویہؓ تین کے بجائے ایک وتر پڑھتے ہیں۔حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ معاویہ ٹھیک ہی کرتے ہوں گے، کیوں کہ وہ ہم سے بڑھ کر عالم ہیں(۱۲) یاد رہے عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی تھے جب کہ اس وقت حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے برسرپیکار تھے۔

حضرت امیر معاویہؓ ہی کے دور حکومت کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا، تو اس کو قتل کر دیا، حضرت معاویہؓ کے پاس مقدمہ پہنچا، ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ فرمادیں، قاتل

کی سزا قصاص، لیکن یہ قتل جن حالات میں صادر ہوا انھیں بالکل نظرانداز کرنا مشکل!...... حضرت معاویہؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے اس بارے میں مسئلہ تحقیق کر کے لکھیں (۱۳)۔

صحابہ کرامؓ کے علاوہ ائمہ فقہاء کے درمیان بھی ہر دور میں اختلافات پائے گئے ہیں، کیونکہ وہ لوگ مرور زمانہ کے ساتھ پیدا ہونے والے مسائل کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کیا کرتے تھے اور اجتہاد میں اختلاف کا وقوع پذیر ہونا ناگزیر ہے، لیکن ان اختلافات کے باوجود دینی معاملات اور شرعی احکام کے سلسلے میں وہ لوگ نہایت احتیاط برتتے تھے اور ایک دوسرے کا بے انتہاء ادب واحترام کرتے تھے۔

امام مالکؒ جو خود ایک فقہی مسلک کے بانی تھے مگر جب ان سے امام ابوحنیفہ کی علمی استعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے قریب ہی واقع ایک ستون کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''وہ ایسے شخص تھے کہ اگر تجھ سے اس ستون کو سونا ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کریں تو وہ ضرور اپنی حجت میں کامیاب رہیں گے'' (۱۴)۔

حضرت امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''من أراد ان یعرف الفقه فلیلزم أباحنیفة واصحابه فإن النّاس کلهم عیال علیه فی الفقه'' (۱۵)

''جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب کے نقش قدم پر چلے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چین ہیں''۔

بلکہ امام شافعی نے امام اعظم کی عظمت اور بزرگی کا احترام کرتے ہوئے اپنے مسلک پر اصرار نہ کیا اور جب ان کی قبر کے قریب مسجد میں صبح کی نماز پڑھی تو اپنے مسلک کے برخلاف دعائے قنوت نہ پڑھی، پیروکاروں کے استفسار پر فرمایا کہ: ''تأدباً مع صاحب هذا القبر'' (۱۶)۔ ''اس صاحب قبر (امام ابوحنیفہ) کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے (دعاء قنوت نہ پڑھی)۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل جو کہ صاحب مسلک ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے ہیں، امام ابوحنیفہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ زہد وتقویٰ اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہنچ سکا'' (۱۷)۔

ان روایات پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہمارے سلف صالحین میں اختلاف رائے کے باوجود کس قدر رواداری پائی جاتی تھی اور وہ باہمی احترام اور عزت نفس کو کس قدر ملحوظ رکھتے تھے، انھوں نے اختلاف رائے کو کبھی بھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور کبھی یہ نہ کہا کہ صرف میری ہی بات حق ہے اور دوسروں کی باطل ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ معمولی معمولی استحبابی امور پر لڑتے ہوئے امت میں افتراق اور شقاق پیدا کرنا نہایت خطرناک اور دین دشمنی سمجھتے تھے اور اس سے سختی سے پرہیز کرتے تھے (۱۸)۔

اسی طرح دور حاضر یا ماضی قریب سے بھی ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کے باوجود ہمارے اسلاف ایک دوسرے کے ساتھ مروت اور رواداری کا سلوک روا رکھتے تھے اور ان کے اجتہادی اختلافات کبھی آپس کے تعلقات اور اخلاق پر اثرانداز نہیں ہوتے تھے۔

مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند ایک مرتبہ دہلی میں کسی ضرورت کی بناء پر قیام پذیر تھے اور

ان کے ساتھ ان کے بعض نامور شاگرد مثلاً مولانا احمد حسن، مولانا محمود الحسن اور امیر شاہ خان وغیرہ بھی مقیم تھے، ایک دن مولانا احمد حسن صاحب نے ساتھیوں کے سامنے تجویز پیش کی کہ لال کنویں کی مسجد کے امام صاحب کی قرأت بہت اچھی ہے، کل صبح کی نماز اس مسجد میں پڑھی جائے۔ مولانا محمد قاسم کے ایک شاگرد یہ سن کر سخت غصے میں آ گئے اور مولانا احمد حسن کو ڈانٹتے ہوئے فرمانے لگے کہ کیا ہم اس شخص کے پیچھے نماز پڑھیں گے جو ہمارے حضرت (محمد قاسم نانوتوی) کی تکفیر کرتا ہے؟ یہ گفتگو کسی ذریعہ سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب تک جا پہنچی۔ وہ دوسرے دن سب شاگردوں کو لے کر لال کنویں کی مسجد میں پہنچ گئے اور انہی امام صاحب کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی۔ امام صاحب نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ نمازیوں میں کچھ اجنبی چہرے نظر آ رہے ہیں جو شکل و شباہت اور وضع قطع سے علماء لگتے ہیں۔ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ حضرت مولانا محمد قاسم اپنے شاگردوں سمیت نماز باجماعت میں شریک ہوئے ہیں۔ امام صاحب نہایت شرمندہ ہوئے اور لپک کر مولانا محمد قاسم نانوتوی سے مصافحہ کیا اور اپنے سابقہ رویہ پر معافی چاہی۔ مولانا محمد قاسم نے فرمایا کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس فعل کی قدر ہے کہ آپ نے مجھے توہین رسالت کا مرتکب سمجھ کر میری تکفیر کی ہے، یہ آپ کی غیرت ایمانی کا تقاضا تھا، گلہ صرف اتنا ہے کہ جو خبر آپ تک پہنچی تھی آپ نے اسے بغیر تحقیق کیے قبول کر لیا، آپ کو پہلے تحقیق کر لینی چاہیے تھی۔

بعض حضرات کی روایت کے مطابق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے مولانا تھانوی کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب مولانا اشرف علی تھانوی کو حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی وفات کی خبر پہنچی تو انھوں نے بے ساختہ ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی، کسی نے عرض کیا کہ حضرت! مولانا احمد رضا خان تو آپ کو کافر کہتے تھے، آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں؟ فرمایا مولانا مجھے اس لیے کافر کہتے تھے کہ میں ان کے نزدیک گستاخ رسول تھا، اگر وہ یہ سمجھنے کے بعد بھی مجھے کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے (۱۹)۔

اختلاف رائے جو اپنی حدود کے اندر ہو، یعنی قرآن و سنت کے قطعی اور اعتقادی مسائل اور قطعی احکام میں نہ ہو، صرف فروعی مسائلِ اجتہادیہ میں ہو، جن میں قرآن و سنت کی نصوص ساکت یا مبہم ہیں اور وہ بھی جنگ وجدل اور لعن وطعن کی حد تک نہ پہنچے تو وہ بجائے مضر ہونے کے مفید اور ایک نعمت و رحمت ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: "اختلاف أمتی رحمة" (۲۰) "میری امت کا اختلاف رحمت ہے"۔

اس امت کے علماء حق اور فقہاء متقین میں جو اختلاف ہوگا وہ ہمیشہ اصول قرآن و سنت کے ماتحت ہوگا، اور صدق نیت اور للہیت سے ہوگا، کوئی نفسانی غرض جاہ و مال کی ان کے اختلاف کی محرک نہ ہوگی، اس لیے وہ کسی جنگ وجدل کا سبب بھی نہ بنے گا۔

علامہ عبدالرؤف مناوی نے مذکورہ بالا حدیث کی بسیط شرح لکھی ہے، اس کی تحقیق کے مطابق فقہاء امت کے مختلف مسالک کا وہ درجہ ہوگا جو زمانہ سابق میں انبیاء علیہم السلام کی مختلف شرائع کا تھا کہ مختلف ہونے کے باوجود سب کے سب اللہ ہی کے احکام تھے، اسی طرح مجتہدین امت کے مختلف مسلک اصول قرآن و سنت کے ماتحت ہونے کی وجہ سے سب کے سب احکام خدا اور رسولؐ ہی کہلائیں گے (۲۱)۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی کا مسلک باطل نہیں اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں، ان کو دوسروں کے نزدیک گنہگار کہنا جائز نہیں، ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے مذاہب کے اختلاف کا حاصل اس سے زیادہ نہیں کہ ایک مجتہد نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ اس کے نزدیک راجح ہے، مگر اس کے مقابل دوسرے مجتہد کے مسلک کو بھی وہ باطل نہیں کہتے، بلکہ ایک دوسرے کا پورا احترام کرتے ہیں، فقہاء صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ کے بے شمار حالات وواقعات اس پر شاہد ہیں کہ حقیقی مسلک بہت سے مسائل میں مختلف ہونے اور علمی بحثیں جاری رہنے کے باوجود ایک دوسرے کا مکمل اعتقاد واحترام کرتے تھے، جنگ وجدل اور خصومت و عداوت کا وہاں کوئی احتمال ہی نہ تھا، مذاہب فقہاء کے متبعین اور مقلدین میں بھی جہاں تک صحیح علم ودیانت رہے ان کے بھی باہمی معاملات ایسے ہی رہے۔ یہ اختلاف ہے جو رحمت ہی رحمت اور لوگوں کے لیے وسعت وسہولت کا ذریعہ اور بہت سے مفید نتائج کا حاصل ہے اور حقیقت یہی ہے کہ فروعی مسائل میں راویوں کا اختلاف جہاں تک اپنی حد کے اندر رہے وہ کوئی مضر چیز نہیں، بلکہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو کھولنے اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں معین ہے اور جہاں دیانت دار عقلا جمع ہوں گے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف نہ ہو، ایسا قانون تو یا بے عقلوں میں ہوسکتا ہے جن کو کوئی سمجھ بوجھ نہ ہو، یا بے دینوں میں ہوسکتا ہے جو کسی پارٹی وغیرہ کی رعایت سے خلاف ضمیر رائے میں اتفاق کا اظہار کریں" (۲۲)۔

مفتی اعظم رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

"بہت سے لوگ جو اس حقیقت سے واقف نہیں وہ مذاہب فقہاء اور علمائے حق کے فتووں میں اختلاف کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ علماء میں اختلاف ہے تو ہم کدھر جائیں، حالانکہ بات بالکل صاف ہے کہ جس طرح کسی بیمار کے معاملہ میں ڈاکٹروں، طبیبوں کا اختلاف رائے ہوتا ہے تو ہر شخص یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ان میں سے فنی اعتبار سے زیادہ ماہر اور تجربہ کار کون ہے، بس اس سے علاج کرتے ہیں، دوسرے ڈاکٹروں کو برا نہیں کہتے۔ مقدمہ کے وکیلوں میں اختلاف ہوجاتا ہے، تو جس وکیل کو زیادہ قابل اور تجربہ کار جانتے ہیں اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں، دوسروں کی بدگوئی کرتے نہیں پھرتے، یہی اصول یہاں ہونا چاہیے، جب کسی مسئلہ میں علماء کے فتوے مختلف ہوجائیں تو مقدور بھر تحقیق کرنے کے بعد جس عالم کو علم اور تقویٰ میں دوسروں سے زیادہ اور افضل سمجھیں اس کا اتباع کریں اور دوسرے علماء کو برا بھلا کہتے نہ پھریں" (۲۳)۔

جیسا کہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

"صحیح مذہب یہ ہے کہ اس (سائل) پر لازم ہے کہ جہاں تک اس سے ہوسکے تحقیق کرکے بڑے سے بڑے عالم اور پورے دیانت دار شخص سے مسئلہ پوچھے، اللہ نے طاقت پر تقویٰ کا حکم دیا ہے اور اتنا اس کی طاقت میں ہے" (۲۴)۔

بہرحال خرابی اختلاف رائے میں نہیں اور نہ کسی ایک رائے پر عمل کرنے میں ہے بلکہ ساری خرابیاں دوسروں کے متعلق بدگمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں جو علم ودیانت کی کمی اور اغراض واہواء کی زیادتی کا نتیجہ ہوجاتا ہے اور جب

کسی قوم یا جماعت میں یہ صورت پیدا ہوجاتی ہے تو ان کے لیے یہ اختلاف رحمت بھی، اختلاف عذاب کی صورت میں منتقل ہوجاتا ہے اور مسلمانوں کی پارٹیاں بن کر ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدل اور بعض اوقات قتل وقتال تک میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف لعن طعن اور دل آزار کلمات کو تو مذہب کی حمایت سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ مذہب کا اس غلو اور زیادتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا (۲۵)۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی چوتھی صدی ہجری کے ایک بڑے عالم، بیدار مغز سیاح، علامہ مقدسی کی کتاب کے حوالے سے ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ کوفہ کے ایک پرانے بزرگ عمرو بن مرہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوکر کہنے لگا کہ جناب والا، میرا عجیب حال ہے اب تک مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں شریک ہوہوکر الگ ہوتا رہا ہوں، ہر فریق اپنی تائید میں قرآن ہی سناتا ہے میں تو ان مذہبی جھگڑوں سے تنگ آ گیا ہوں، بتایئے کہ آخر میں کروں کیا؟ عمرو بن مرہ نے کہا کہ اے شخص سن، تو نے مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کا ذکر کیا، میں پوچھتا ہوں تو جواب دیتا جا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول ہیں اور جو کچھ اللہ کے پاس سے لائے سب سچ ہے، کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ جواب دیا گیا، نہیں''۔ قرآن خدا کی کتاب ہے کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ پانچ وقتوں کی نماز فرض ہیں کیا مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں، کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے کیا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں، کیا رمضان کے مہینے میں روزے فرض ہیں، اس میں اختلاف ہے؟ نہیں، بیت اللہ کا حج مسلمانوں پر فرض ہے، کیا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں، زکوۃ فرض ہے اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ جنابت (ناپاکی) سے پاک ہونے کے لیے غسل کرنا فرض ہے کیا اس میں اختلاف ہے؟ نہیں۔ الغرض مرہ مسلسل یوں سوال کرتے جاتے تھے اور جواب میں پوچھنے والا بے چارہ ''نہیں نہیں''...... کہتا رہا، تب عمرو بن مرہ نے کہا کہ ''دیکھو بھائی مسلمان کا جن مسائل پر اتفاق ہے محکمات بھی انہی کو کہتے ہیں، ان کو پکڑلو اور اختلافی مسائل میں زیادہ غور وخوض کی ضرورت نہیں، ان کی نوعیت متشابہات کی ہے اور آخر میں وصیت کی:

> ''اہل کتاب کے بعد دین مسلمانوں کے سپرد کیا گیا، ہمارے پہلوں نے یعنی صحابہؓ نے دین کو جس شکل میں مانا اور برتا بس ان ہی کا طریق کار اور ان ہی کا شیوہ اختیار کر کے مطمئن ہوجانا چاہیے''۔

المقدسی نے ابن مرہ کے اس بیان کو نقل کر کے ایک قاضی صاحب کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جن جن لوگوں سے میں اب تک ملا ہوں، ان میں سب سے زیادہ اثر پذیر ان ہی سے ہوا، ان کی مجلس میں فروعی اور فقہی اختلافات کا ذکر چھیڑا تو میں نے دیکھا کہ قبلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمارہے ہیں: "من صلّی هذه القبلة فهم إخواننا المسلمون" ''اس قبلہ کی طرف رخ کر کے جو نماز پڑھتے ہیں وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں''۔

آخر میں ''المقدسی'' نے اپنے احساسات کو درج کر کے مندرجہ ذیل فقرے پر اختلافات کی اس بحث کو ختم کر دیا ہے یعنی:

> ''یہ تنگ نظریاں جنھیں تم دیکھتے ہو، دراصل یہ شورش جاہلوں کی پھیلائی ہوئی ہے اور قصہ گو واعظوں کی بے اعتدالیوں کے یہ نتائج ہیں، امت اسلامی کا ان سے کوئی تعلق نہیں'' (۲۶)

حوالہ جات

(۱) سورۃ الانعام، ۶: ۶۵، (۲) قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، دہلی، دائرۂ اشاعت العلوم لندوۃ المصنفین، ۳: ۲۸۱۔ (۳) صحیح مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض، حدیث نمبر ۷۲۶۵ (۴) مفتی محمد شفیع، تفسیر معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۷۹ء، ۳: ۳۶۲ (۵) ال عمران ۳: ۱۰۳ (۶) ال عمران ۳: ۱۰۵ (۷) سورۃ الانعام: ۶: ۱۵۹ (۸) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ۳: ۳۶۳ (۹) ایضاً ۲: ۳۳، ۱۳۴ (۱۰) سنن ترمذی، أبواب الصلوٰة، باب رفع اليدين عندالركوع ۔ (۱۱) صحيح البخاری، كتاب المغازی، مرجع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم من الاحزاب ومخرجه إلى بنی قريظه ۔ (۱۲) سنن الكبرىٰ للبيهقی، كتاب الصلوٰة، باب الوتر بركعة واحدة ۳: ۲۶ (۱۳) موطاء إمام مالك، كتاب الأقضية، باب القضاء فيمن وجد مع امرأته رجلاً (۱۴) محمد سرفراز خان، مقام ابی حنیفہ، گوجرانوالہ، مکتبہ صفدریہ، ۱۹۹۲ء، ص ۷۱ (۱۵) ایضاً ص ۷۴ (۱۶) شیخ محمد امین ابن عابدین، ردالمحتار علی الدرالمختار، مصر، دار الكتب العربية الكبرىٰ ۱: ۴۱ (۱۷) مفتی عزیز الرحمن، امام اعظم ابوحنیفہ، لاہور، مکتبہ دینیات ۱۹۷۹ء، ص ۱۲۸ (۱۸) مولانا فضل ربی، مسلکی اختلافات، حقیقت اور حل، اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۰ (۱۹) ایضاً ص ۱۵ (۲۰) حافظ جلال الدين سيوطی، الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير، بيروت، دار الفكر ۱۹۷۲ء، ۱: ۲۰۹، حدیث ۲۸۸ (۲۱) محمد عبدالرؤف المناوی، فیض القدير شرح جامع الصغير، بيروت، دار الفكر ۱۹۷۲ء، ۱: ۲۰۹، ۲۱۰ (۲۲) تفسیر معارف القرآن ۳: ۳۶۴، ۳۶۵ (۲۳) ایضاً ۳: ۳۶۵ (۲۴) شمس الدين محمد بن أبی بكر الجوزيه، ابن قيم، اعلام الموقعين عن رب العلمين (اردو ترجمہ)، مکتبہ قدسیہ ۲: ۵۰۹ (۲۵) تفسیر معارف القرآن ۲: ۵۰۹ (۲۶) سید مناظر احسن گیلانی، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، لاہور، ادارہ اسلامیات ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۶، ۱۲۷۔

عہدِ فریب

آنکھیں کھلیں تو عہد شباب کی صبح ہو چکی تھی اور خواہشوں اور ولولوں کی شبنم سے خارستانِ ہستی کا ایک ایک کانٹا پھولوں کی طرح شاداب تھا، اپنی طرف دیکھا، تو پہلو میں دل کی جگہ سیماب کو پایا، دنیا پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ اس صبح فریب کے لیے نہ تو سوز وتپش کی دوپہر ہے، نہ ناامیدی وناکامی کی شام!......غفلت ومدہوشی نے افسوں پھونکا، سرمستی وسرگرانی نے جام بھرے، جنونِ شباب نے ہاتھ پکڑا اور ولولوں اور ہوسوں نے جو راہ دکھلائی، دل کی خود فروشیوں نے اسی کو منزل مقصود سمجھا، ہوش وخرد کو گو پہلے حیرانی ہوئی، لیکن پھر اس نے بھی آگے بڑھ کر اشارہ کیا......جس راہ میں قدم اٹھایا، زنجیر اور کمندوں نے استقبال کیا، جس گوشے سے پناہ لی، وہی زندانِ ہوش وآگہی نکلا، ایک قید ہو تو ذکر کیجیے، ایک زنجیر ہو تو اس کی کڑیاں گنئے، دل ایک تھا، مگر تیر ہزاروں ہاتھوں میں تھے، نظر ایک تھی، مگر جلوؤں سے تمام عالم معمور تھا، ہر کشش نے اپنا تیر چلایا، ہر رہزن نے اپنی کمند پھینکی، ہر افسوں نے اپنا افسونِ محبت پھونکا، ہر جلوۂ ہوش ربا نے صرف اپنے ہی دامِ الفت میں اسیر اور اپنے ہی فتراک اسیری کا نخچیر رکھنا چاہا!

وائے بر صید کہ یک باشد و صیادے چند!

(مولانا ابوالکلام آزادؒ کے خود نوشت ادبی شہ پارے سے ایک اقتباس)